قرآن کریم اور ضمیرِ بیدار

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

الحمدُ لِلّٰہ وحدَہ والصَّلٰوۃ والسَّلام علٰی من لا نبیَّ بعدَہ ـــــــ

امَّابعد : فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○

﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴﴾ (الطارق)

''کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو۔''

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جن باطنی قوتوں سے نوازا ہے ان میں سے دل و دماغ یا عقل و ضمیر دو نہایت اہم قوتیں ہیں۔ جس طرح بیرونی حواس کا فقدان یا ان کی صحت و سقم انسان کی مادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں' اسی طرح انسان کی ان اندرونی طاقتوں کی صحت و قوت یا ان کا فساد و ضعف اس کی اخلاقی و روحانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور بالآخر اس کی اُخروی زندگی میں سعادت و شقاوت اور فلاح یا خسارہ کا باعث بنتا ہے۔ ہمارا آج کا موضوع لفظ ''ضمیر'' اگرچہ عربی زبان ہی کا لفظ ہے جو انسان کی باطنی و قلبی کیفیت اور داخلی شعور کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے' تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا..... اردو اور عربی میں اب یہ لفظ ''ضمیر'' عام طور پر انگریزی لفظ (conscience) کے لیے استعمال ہونے لگا ہے' جو انسان کی ایک اہم باطنی کیفیت یا قلبی استعداد (Highest faculty of mind بلکہ Faculty of mind) کے طور پر فلسفہ و نفسیات والوں کا ایک خاص موضوع ہے۔ عموماً اسے ایک ایسی اندرونی استعداد یا قوت سمجھا جاتا ہے جو بصورت صحت خود انسانی حواس و احساسات اور ہیجانات کے زیر اثر رونما ہونے والی کمزوریوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتی ہے' جنہیں اصطلاحاً temptations کہا جاتا ہے۔ نفسیات والوں کے نزدیک ہر دو (یعنی) conscience اور temptation انسان کی شعوری خواہشات اور غیر شعوری محرکات کے درمیان ایک کشمکش کے دو مظاہر ہیں۔ مسیحی عقائد کے مطابق ضمیر کو ''Voice of God within human soul'' کہا گیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں بیان کردہ ایک مثال میں بھی ''وَاعِظُ اللّٰہِ فِی قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ''(۱) کہہ کر اسی باطنی قوت یعنی ضمیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اندر اخلاقی بصیرت کی ایک جبلی استعداد بھی رکھی گئی ہے۔ عملی انحراف و فساد کے باوجود اور گمراہی کی استثنائی کیفیات کے سوا انسان کے اندر نیکی یا فضیلت کے بارے میں ایک اعتراف یا محبت اور برائی یا رذیلت کے بارے میں نفرت پائی جاتی ہے۔ دوسروں کو برا کام کرتے دیکھ کر اسے دکھ ہوتا ہے اور وہ خود بھی اپنے ذاتی اخلاقی عیوب کو ناپسند کرتا ہے۔ اور اگر کسی ایسی چیز کا مرتکب ہوتا ہے تو یا تو

اسے چھپاتا ہے یا اس پر اسے سخت ندامت ہوتی ہے۔ یا پھر عقل کی مدد سے اس کے لیے جواز تلاش کرتا ہے:﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾﴾[۲] (القیامة) کوئی آدمی اپنے آپ کو جھوٹا' خائن اور دغاباز کہلانا آخر کیوں پسند نہیں کرتا؟

قرآن کریم بالعموم اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد خیر وشر اور عدل وظلم کے درمیان تمیز کر سکنے والے اسی عام انسانی شعور پر رکھتا ہے اور عملی ہدایات دیتے وقت ان (قدروں) کے فہم کے بارے میں انسان کی اس باطنی حس پر اعتماد کرتا ہے۔ معروف' منکر' عدل' احسان' فحشاء' امانت اور خیانت وغیرہ کی شرعی وضاحت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں چالیس سے زیادہ مقامات پر خیر وشر کی تمیز کے بارے میں انسان کے اس اخلاقی ضمیر اور اسی اندرونی حس پر زور دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ حس یا ضمیر ہے جو انسان کے قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح کے اعمال میں ہم آہنگی نہ پائے جانے پر ٹھیک اسی طرح مضطرب ہوتا ہے جس طرح انسانی اعصاب کسی جسمانی اذیت سے متاثر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس انسانی استعداد کا ذکر مختلف ناموں سے کیا گیا ہے۔ غالباً سب سے نمایاں بیان اس کا ''نفسِ لوّامہ'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ سورۃ القیامہ میں اسی نفس لوامہ یا انسان کے اخلاقی ضمیر کو زندگی بعد از موت کی شہادت اور دلیل صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے...... مفسرین نے قیامت اور نفس لوامہ میں مناسبت اور باہمی تعلق پر بعض عمدہ نکات اور نفسِ لوّامہ کے معنی مراد کے بارے میں جو مختلف اقوال بیان کیے ہیں' ان میں اکثر نے اسے ضمیر انسانی کے ہم معنی بھی قرار دیا ہے۔ مثلاً رازی نے ایک معنی ''النفس الشريفة التي لا تزال تلوم نفسها'' کیا ہے۔ طبری نے ایک مفہوم ''النفس المؤمنة التي تلوم نفسها في الدنيا و تحاسبها'' بیان کیا ہے۔ روح المعانی میں ایک قول یوں بھی بیان ہوا ہے: ''هي التي تنورت بنور القلب فكلما صدر عنها سيئة بحكم جبلتها الظلمانية اخذت تلوم نفسها و نفرت عنها۔''

لوّامہ (بار بار ندامت دلانے والا) کے صیغہ مبالغہ میں جو ایک اعادہ وتکرار کا مفہوم ہے وہ بھی اسی دنیا میں ضمیر کا عمل مراد لیے جانے پر ایک مزید دلیل ہے۔

بعض مفسرین نے ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ○﴾ کی تفسیر میں اس ''حافظ'' کے معانی میں انسان کی اس باطنی استعداد اور تمیز خیر وشر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ (روح المعانی)

ایک مؤلف نے ابن درید کی کتاب الاشتقاق کے حوالے سے ''مسلم'' کے معنی میں یہ بات لکھی ہے کہ ''اشتقاق المسلم من قوله اسلمتُ للّٰه اي سلم له ضميري اي خلص'' ہے...... ابن درید کی اس تعریف میں اسلام اور ضمیر کے تعلق کے اس ذکر سے یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ خود ضمیر حق و باطل کا معیار ہرگز نہیں۔ تاہم اسے حق و باطل کا جو معیار دے دیا جائے تو پھر وہ انسان کے ظاہر و باطن میں اس معیار کے تضاد پر مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے اور انسان کو ایسے رویہ پر ٹوکتا ہے۔

یہ نفسِ لوّامہ یا ضمیر حافظ یا اخلاقی بصیرت ایک زبردست قوت ہے مگر اس کی مثال کمپیوٹر کی سی ہے جو مطلوبہ جواب فوراً دیتا ہے مگر feeded data کے مطابق نیکی و بدی کا جو تصور ضمیر کو feed کر دیا جائے تو وہ اس کے

مطابق بوقت ضرورت آناً فاناً نیکی یا بدی کے بارے میں سگنل دے گا۔

ضمیر کے اندر نیکی بدی کا یہ تصور یا مواد (data) مختلف ذرائع سے بہم پہنچایا جاتا ہے' جس کا سب سے اعلیٰ اور درست ذریعہ تعلیماتِ رسالت ہیں..... حواس ظاہری کی طرح انسان کی یہ باطنی قوت (ضمیر) بھی اپنی قوت وفعالیت میں یکساں نہیں رہتی کہ انسان کے کردار کو ہمیشہ اپنا پابند بنا سکے۔ اس لیے اس کے ساتھ ہی اس استعداد کی تقویت یا تربیت کے لیے ایک دوسری انسانی قوت یعنی عقل و دانش اور خصوصاً اجتماعی عقل انسانی —— بلکہ ہر دور کے اہل صلاح وصالحین کی تائید حاصل کرنے والے اصول واحکام سے مدد لینا بھی ضروری ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کتب سماویہ اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ اس طرح قرآن اور اسلام کے حوالہ سے بات کرتے ہوئے اس وقت ہمارا اصل موضوع مطلقاً ''ضمیر'' نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں پروردہ وتربیت یافتہ ضمیر ہے' جسے ہم دینی ضمیر کہہ سکتے ہیں۔ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اسی دینی ضمیر کی تربیت یا ضمیر کی دینی تربیت تھا' کیونکہ تزکیہ نفوس کی اصل اور مضبوط اساس یہی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی دینی ضمیر کی تربیت ضروری ہے۔ جس طرح انسانی حواس بیماری' ضعف یا فقدان کا شکار ہو سکتے ہیں' اسی طرح انسان کی یہ اندرونی قیمتی استعداد ''ضمیر'' بھی اس قسم کی آفات کی زد میں آسکتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اس باطنی حس کو زندہ' استوار اور فعال و بیدار رکھنے پر نہ صرف زور دیا ہے بلکہ اس کے لیے عملی تدابیر بھی بیان کی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اندر محض خارجی ذرائع سے کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی جب تک خود اس کے اندر تبدیلی نہ پیدا ہو۔ یہ بات افراد واقوام سب پر صادق آتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے انسان کی ان اندرونی قوتوں یعنی لُبّ وعقل اور قلب وضمیر کو مخاطب کیا ہے اور اپنی اس فطری استعداد سے مطلقاً کام نہ لینے والوں کو ﴿كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (۳) کہا ہے۔

ضمیر کو حق شناس بنانے' اسے بیدار رکھنے اور اس کی تقویت اور صحیح تربیت کے لیے قرآن کریم نے حسب ذیل اقدامات وتدابیر کا ذکر کیا ہے:

☆ سب سے پہلی چیز ایمان باللہ ہے۔ کسی فلسفی کا قول ہے کہ عقیدہ (یا ایمان) کے بغیر ضمیر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عدالت بغیر جج کے ہو.....

ایمان باللہ کے بغیر قلب ایک بنجر زمین ہے' لیکن جب ایمان اَعماقِ قلب تک پہنچتا ہے تو ضمیر کا پودا اس میں برگ وبار لانا شروع کر دیتا ہے۔ اور بقول باہوؒ قلبِ مؤمن کے پودے کی خوشبو انسان کے باطن سے نکل کر اس کے ظاہر یعنی اس کے اعمال میں سرایت کرنا چاہتی ہے۔ یہ اس کا فطری تقاضا ہے۔

☆ ذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی بار بار یاد' اس کا اعادہ اور تکرار دینی ضمیر کی تربیت کے لیے دوسرا اہم اقدام ہے۔ اسلامی عبادات اسی لیے دینی ضمیر بلکہ اجتماعی دینی ضمیر کو زندہ و بیدار رکھنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہیں اور شاید اسی لیے تمام اسلامی عبادات کو ایک اجتماعی رنگ دیا گیا ہے۔

انفرادی سطح پر بھی عبادات انسان کے لیے اخلاقی و دینی ضمیر کی بیداری کا باعث بنتی ہیں' کیونکہ ہر عبادت سِرًّا وَّعَلَانِيَةً یکسانیت ہی سے ضمیر مطمئن ہو سکتا ہے۔ حواس کی لذتوں کی طرح ضمیر یا باطن کی لذت کا سامان

اس یک رنگی میں پوشیدہ ہے۔

☆ توبہ اور رجوع الی اللہ ضمیر انسانی کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لیے ایک نہایت مؤثر ذریعہ بھی ہے اور بیداریٔ ضمیر کی علامت بھی ہے۔ جب ضمیر کی آواز کسی ''جہالت'' کے باعث نظر انداز کر کے انسان کوئی برا کام کر بیٹھتا ہے تو قرآن کریم کے حکم کے مطابق ایسے آدمی نے گویا اپنے ضمیر کو سخت خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اسے فوراً اپنے ضمیر کو موت سے بچانا چاہیے۔ جس طرح کسی گرے ہوئے مکان کے ملبہ کے اندر سے فوری کارروائی کے ذریعے کسی کی جان بچائی جا سکنے کے امکانات ہوتے ہیں اسی طرح گناہ کے اس ملبے سے ضمیر کو نجات دلانے کے لیے ﴿يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ﴾(۴) پر عمل کرنا ضروری ہے۔

توبہ اور اصلاح استغفار کے سلسلے میں قرآن کریم کے تمام احکام کا مقصد انسان کی اس باطنی استعداد کو فنا سے بچانا اور اسے برقرار رکھنا ہے۔

قرآن کریم میں ''تَوَّابِين'' کا صیغہ مبالغہ ایک سے زیادہ جگہ آیا ہے' جس میں تکرار کا مفہوم موجود ہے۔ قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ صفاتِ مؤمنین میں ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا﴾(۵) کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے: ''مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً''(۶)..... توبہ و استغفار کا یہ عمل پیہم انسان کو اس عدم اصرار کی منزل تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ضمیر بیدار کی اصل اہمیت گناہ سے بچانے میں نہیں بلکہ گناہ پر پچھتانے اور ندامت آشنا کرانے میں ہے۔ اصل توبہ ندامت ہی کا نام ہے۔ ''انما التوبة الندم''..... اور ضمیر کی یہ ندامت کوئی معمولی شے نہیں' یہ تو اجرائے حد سے بھی سخت تر شئے ہے۔

دینی ضمیر اور خصوصاً اجتماعی دینی ضمیر کو زندہ و بیدار رکھنے کے لیے ہی قرآن کریم نے ایک نظام' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' پر زور دیا ہے..... امر بالمعروف' تواصی بالحق والصبر اگر ضمیر دینی کے لیے باعث نشاط و قوت ہیں تو نہی عن المنکر دینی ضمیر خصوصاً اجتماعی دینی ضمیر کو موت و ہلاکت سے بچانے کے لیے ناگزیر ہے۔ قوموں اور ملتوں کی حیاتِ اجتماعیہ میں منکرات وبا کی طرح پھیلتے ہیں' اور اگر فوری تدارک اور مسلسل نگرانی نہ کی جائے تو اجتماعی ضمیر کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کا واقعہ قرآن و حدیث میں اس کی واضح مثال کے طور پر بیان ہوا ہے: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾(۷) (المائدۃ:۷۹) کے باعث ہی وہ سخت سزا کے مستحق ٹھہرے تھے۔ اسلامی حکومت کے چار اہم اور بنیادی فرائض میں آخری نہی عن المنکر ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾(۸) (الحج)

پہلے تینوں امور (صلوٰۃ' زکوٰۃ' امر بالمعروف) اگر ضمیر کی غذا ہیں تو وجودِ منکر ضمیر کے لیے سمِ قاتل ہے— نہی عن المنکر سے غفلت پہلے تین امور کے مثبت اثرات پر پانی پھیر دینے والی بات ہے۔ کیا آپ کسی کو طاقتور اور مفید غذائیں کھلانے کے ساتھ تھوڑا سا زہر کھلا دینے کو معمولی بات سمجھ سکتے ہیں؟ نماز' روزہ' زکوٰۃ کا اہتمام کرنے والے اگر صواحبِ یوسف کے ساتھ سمجھوتے بھی کرتے پھریں تو: ع ''ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!''

منکرات کومٹانے کے اس امتحان میں عوام کے لیے تو چلئے ''أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ ''(۹) کا گریڈ حاصل کرنے کا امکان موجود ہے.....مگر ''لمبے ہاتھوں والے'' اور ''لمبی زبانوں والے'' اصحابِ ابلاغ کے ایمان وضمیر کے متعلق کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے؟

ضمیر بیدار کی رعایت کے حق میں قرآن کریم کا یہ حکم بھی قابل ذکر ہے کہ بیدار اور زندہ ضمیر والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مردہ ضمیر والے بڑے صاحبوں پر اپنی توجہات مرکوز کرنے کی بجائے باضمیر عوام کو تلاش کیجیے۔ ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾ کے واقعہ نزول میں کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں ہے؟

جب ایمان' ذکر اللہ' تقویٰ اور خشیۃ اللّٰہ کے ذریعے ضمیر کی تربیت وتقویت کی جائے تو وہ اس درجہ بیدار اور اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ اس مرحلہ پر ضمیر کا فتویٰ فقہاء کے فتوؤں پر قابل ترجیح ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کے ذریعے درجہ فرقان تک پہنچ جانے پر ہی ''اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ ''(۱۰) کا اطلاق ہوتا ہے۔ ((اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ))(۱۱) اسی درجے کے لیے کہا گیا ہے۔

دینی ضمیر کی نیند یا موت کی سب سے زیادہ خطرناک صورت علماء اور رجالِ دین کے ضمیروں کا سو جانا یا مر جانا ہے۔ قرآن کریم میں یہود کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ﴿ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾(۱۲) (المائدۃ) ایسے بے ضمیر علماء سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے آدمی کے لیے اپنے دینی ضمیر سے کام لینا شاید زیادہ بہتر ہے۔ معری نے اسی لیے کہا تھا:

والعصا للضرير خير مِنَ القا نِد فيه الفجور والعصيان(۱۳)

قرآن کریم نے اپنے بعض احکام میں صورتِ امتثال یا کیفیت تعمیل کا فیصلہ خود ضمیر بیدار پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾(۱۴) میں اس ''العفو'' کا تعین ہے۔ ضرورت سے زائد کے اس تعین میں ہی آدمی کے ایمان وضمیر کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اس کی جو عملی مثال قائم کی وہ تاریخِ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے کہ حکمران ہوتے ہوئے خوراک' لباس اور مکان کے لحاظ سے اپنا معیارِ زندگی اس سے اونچا نہیں ہونے دیا جو وہ اپنی رعیت کے افراد کو کم از کم مہیا کر سکتے تھے۔

قرآن کریم کی آیت ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾(۱۵) سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میزانِ ضمیر ہی میزانِ آخرت ہوگی۔ ضمیرِ بیدار کو اسی دنیا میں محاسبِ اعمال بنانا ہی حسابِ آخرت کی سب سے بڑی اور عمدہ تیاری ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ﴿نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾(۱۶) اگر ضمیر کی بیداری کا ثبوت ہے۔ اور ﴿اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾(۱۷) اگر ضمیر کی قطعی موت کا ثبوت نہ بھی ہو تو بھی خیریت کی علامت ضرور نہیں ہے—— اور ضمیر کی موت ہی دلوں پر لگنے والی وہ خدائی مہر ہے جس کے بعد انسان کے اندر سے کسی تبدیلی کے امکانات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔

اعاذنا اللّٰه من هذا

حواشی (اضافہ از شعبہ مطبوعات)

(۱) ''ہر مؤمن کے دل میں اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا''

جامع الرسائل لابن تیمیة: ۹۷/۲ و مجموع الفتاویٰ: ۴۷۴/۱۰، ۴۷۵ عن النواس بن سمعانؓ۔

(۲) ''بلکہ انسان تو اپنے نفس کے احوال پر خود ہی خوب بصیرت رکھتا ہے۔ چاہے وہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔''

(۳) ''چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔'' (الاعراف:۱۷۹)

(۴) ''پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں'' (النساء:۱۷)

(۵) ''اور وہ اپنے اس غلط فعل پر اصرار نہیں کرتے'' (آل عمران:۱۳۵)

(۶) ''جس نے استغفار کر لیا اُس نے (اپنے گناہ پر) اصرار نہیں کیا' اگرچہ دن میں ستّر بار اس کا اعادہ کرے۔'' سنن ابی داؤد' ح۱۵۱۴، عن ابی بکر الصدیقؓ۔

(۷) ''یہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے ان منکرات سے جو وہ کرتے تھے۔''

(۸) ''وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے' اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔''

(۹) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی صحیح مسلم میں وارد حدیث نبویؐ کے مطابق نہی عن المنکر کا تیسرا درجہ منکرات کو دل میں برا جاننا ہے' اور اسے رسول اللہ ﷺ نے ''ایمان کا کمزور ترین درجہ'' قرار دیا۔

(۱۰) ''اپنے دل سے فتویٰ پوچھو!''

(۱۱) ''نیکی وہ ہے جس پر انسان کا ضمیر مطمئن ہو جائے اور دل کو اطمینان حاصل ہو' اور جو شئے ضمیر کی خلش کا باعث ہو اور اس کے متعلق سینے میں تردد ہو' وہ گناہ ہے!'' (الاربعون النوویة' ح۲۷' عن وابصة بن معبد الاسدیؓ)

(۱۲) ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیر و مرشد) اور علماء و فقہاء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟''

(۱۳) ''نابینا شخص (کی راہنمائی) کے لیے لاٹھی بہتر ہے اُس قائد سے جو فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا ہے۔''

(۱۴) ''کہہ دیجیے جو کچھ بھی زائد از ضرورت ہو (وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو!)'' (البقرۃ:۲۱۹)

(۱۵) ''پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔'' (بنی اسرائیل)

(۱۶) ''اُس نے روکے رکھا اپنے نفس کو خواہشات سے۔'' (النّٰزعٰت)

(۱۷) ''دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔'' (النّٰزعٰت)

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)